لا اله الا الله محمد رسول الله

هو الذي ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲۰ | ذوی الحجہ ۱۳۳۹ھ ٭ اگست سنہ ۱۹۲۱ء | نمبر ۸

چندہ سالانہ عام ۸ر طلباء عہ

فہرست مضامین

ترجمہ چٹھی

معلی القاب جناب مسٹر محمد شفیع بیرسٹر ایٹ لا ممبر تعلیم کونسل ہند

انورارم شملہ - ۱۳ - اگست سنہ ۱۹۲۱ء

جناب من! مَیں آپ کا بہت ممنوں ہوں - کہ آپنے کتاب خاتم النبیین حصہ اوّل مصنّفہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم - اے کا ایک نسخہ میرے پاس بھیجا اِس کتاب کو مَیں نے بہت دل چسپی سے پڑھا ہے - یہ کتاب بڑی محنت کے ساتھ لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے - اور دلچسپ معلومات کا ذخیرہ ہے ؛

آپکا مخلص محمد شفیع

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی علیہما السلام کی تقریر سالانہ جلسہ ۱۹۲۰ء کا خلاصہ

مرتب کے اپنے الفاظ میں

(گذشتہ سے پیوستہ)

ملائکہ کے وجود پر عقلی ثبوت

پہلا ثبوت۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام عالم میں ایک قانون جاری ہے۔ اور وہ ایسا زبردست قانون ہے۔ کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ قانون ایک زبردست ارادہ کے ماتحت ہے۔ ستاروں کی باقاعدہ اور منتظم گردش ایک ارادہ کو ظاہر کر رہی ہے۔ زمین کی بناوٹ اور جائے وقوع ایک زبردست ارادہ پر شاہد ہے۔ باوجود دوسرے اجرام سماوی کے مقابلہ میں ایک نہایت چھوٹا سا جرم ہونے کے یہ تمام انتظام کے وسط میں واقع ہے۔ ماہرین علم ہیئت نے اسکو ایک نہایت معمولی جرم ثابت کرنیکی کوشش کی ہے۔ مگر اپنی ساری تحقیقات اور کوشش کے بعد ان کو تمام اجرام کے مقابلہ میں زمین کی اہمیت اور اسکے وسط میں

مرتبہ شیخ غلام فرید صاحب بی۔اے۔

واقع ہونیکا قائل ہونا پڑا ہے۔ اور یہ مرکز میں اس لئے رکھی گئی ہے۔ کہ اس پر بنی نوع انسان آباد ہیں۔ اس لئے اسپر تمام اجرام نے اپنا اثر ڈالنا تھا پس باوجود ایک نہایت معمولی جرم ہونے کے زمین کا تمام انتظام کے وسط میں واقع ہونا اس بات کو ظاہر کر رہا ہے۔ کہ یہ انتظام ایک ارادہ کے ماتحت چل رہا ہے۔ اسی طرح باقی انتظام میں ایک ارادہ نمایاں ہے۔ کچھ سال ہوئے ایک دم دار ستارہ ظاہر ہوا تھا۔ جسکے متعلق خیال کیا گیا تھا کہ وہ زمین سے ٹکرا کر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیگا۔ مگر جب اس کا زمین کے ساتھ گذرنے کا وقت آیا۔ تو اس میں ایک ایسی حرکت پیدا ہو گئی۔ کہ اس نے اپنی سمت کو بدل لیا۔ اسی طرح ایک دفعہ یوروپین ہیئت دانوں نے اعلان کیا۔ کہ ایک سیارہ زمین کے پاس سے گذریگا اور اس سے ٹکرا کر اسکو تباہ کر دیگا۔ اس پر کئی لوگ (اس دُکھ اور تکلیف کے تصوّر سے گھبرا کر جو انکے خیال میں دنیا کے یک لخت تباہ ہونے سے ان کو پُہنچنی تھی) خودکشی کر کے مر گئے۔ مگر وہ سیارہ آیا۔ اور گذر گیا۔ اور زمین کو قطعاً کسی قسم کا نقصان نہ پُہنچا۔ اسپر ہیئت دانوں نے کہا۔ کہ اسکے ذرّات اتنے باریک تھے۔ کہ جب وہ سورج کے مقابلہ میں آیا تو اس کی دُم سورج کی شعاؤں کے دباؤ کی وجہ سے دائیں سے بائیں طرف ہو گئی۔ ابھی پچھلے سال (۱۹۱۹ء) ہی امریکہ کے ایک بہت بڑے ہیئت دان نے بڑے وثوق سے یہ پیشگوئی کی تھی کہ عنقریب کئی ستارے آپس میں ٹکرا کر ایک سخت طوفان برپا کر دینگے۔ مگر جب انکے ٹکرانے کا وقت آیا۔ تو انہوں نے اپنا راستہ بدل لیا۔ پس یہ تمام باتیں بتا رہی ہیں۔ کہ اس تمام انتظام کی باگ ایک بالارادہ ہستی کے ہاتھ میں ہے۔ اور وہ ہستی کون ہے؟ اس کا فیصلہ وہی کر سکتا ہے جس کا تمام عالم پر اقتدار و قبضہ ہے۔ اور وہ قادر و مقتدر خدا کہتا ہے کہ یہ کام ملائکہ کے ماتحت

اور ان کے ذریعہ ہو رہا ہے*؎

دوسرا عقلی ثبوت۔ موجودہ تحقیقات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ کہ یہ مادی اشیاء جو ہمیں نظر آرہی ہیں۔ در اصل لطیف در لطیف ذرّات سے ملکر بنی ہوئی ہیں۔ مثلاً انسان ایک ہی چیز سے بنا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہزارہا لطیف در لطیف ذرّات کے آپسمیں ملنے سے بنا ہے۔ اور وہ ذرّات آگے کئی ذرّات کے ملنے سے بنے ہیں اور وہ آگے باریک در باریک ذرّات کا مجموعہ ہیں۔ یہانتک کہ ایک امریکن سائنسدان نے ایک ایسا ذرّہ دریافت کیا ہے۔ جو ہوا سے بھی لطیف ہوتا ہے وہ جب جسم سے لگتا ہے۔ تو اس کے اندر سے دوسری طرف گذر جاتا ہے۔ حالانکہ ہوا جسم کے اندر سے نہیں گذر سکتی۔ تو جب یہ بات ثابت ہو گئی۔ کہ انسان اور اس جہان کی دوسری اشیاء باریک در باریک ذرّوں کے ملنے سے بنی ہوئی ہیں۔ تو عقلاً یہ بات ماننی پڑیگی۔ کہ ان لطیف ذرّات پر حکومت اور قبضہ بھی لطیف ہستیوں کا ہی ہو سکتا ہے۔ اور وہ لطیف ہستیاں ملائکہ ہیں ؎

تیسرا عقلی ثبوت۔ معتبر شہادت بھی ایک ذریعہ کسی چیز کی ہستی کے ثابت کرنیکا ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم چند اشخاص کے کہنے پر جو لنڈن دیکھ آئے

---

* ملائکہ کے اس تصرّف اور قبضہ کے متعلق حضرت خلیفہ ثانی رضؓ نے فرمایا۔ کہ ایکدفعہ مجھے (حضرت خلیفة المسیحؑ) بخار ہو گیا۔ دوائی سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اتفاق سے ایکدن چودھری ظفر اللہ خاں صاحب اپنے ایک غیر احمدی دوست کے ساتھ آئے۔ ان کے آنے پر مجھے ایک غنودگی سی آئی۔ اور ایک مچھر نے میرے سامنے آکر کہا۔ کہ آج تپ ٹوٹ جائیگا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر صاحب آئے۔ اور انہوں نے تھرمامیٹر لگا کر دیکھا۔ کہ تپ بالکل نہیں تھا۔ اسپر فرمایا۔ کہ یہ در اصل مچھر نہیں بولا تھا۔ بلکہ اس مچھر کے ذریعے وہ فرشتہ بولا تھا۔ جس کا مچھر پر تصرّف تھا ؎

ہوں۔ مان لیتے ہیں۔ کہ لنڈن واقعی ایک شہر ہے۔ اور ایسے ہی اور بہت سی باتیں ہیں جن کو محض چند لوگوں کے کہنے سے ہم مان لیتے ہیں اور مانا ہوا ہے تو کیا وجہ ہے۔ کہ ملائکۃ کی ہستی کے متعلق جب مختلف وقتوں میں مختلف قوموں اور ملکوں کے ہزارہا خدا کے پیاروں اور راستبازوں نے بالاتفاق گواہی دی ہے۔ کہ فرشتے ہیں اور ہم نے ان کو دیکھا ہے۔ ان کی ہستی کو نہ مانا جائے۔ اگر اتنے راستبازوں کی متفقہ شہادت اس بناپر رد کی جا سکتی ہے۔ کہ ہم نے (یعنی عام لوگوں نے) فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ تو "لنڈن کا ہونا" بھی صرف انہی لوگوں کو ماننا چاہیئے۔ جو اس کو دیکھ آئے ہوں۔ ہاں یہ سوال ہو سکتا ہے۔ کہ لنڈن تو ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ مگر فرشتوں کو تو ہر شخص نہیں دیکھ سکتا۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ یہ بات غلط ہے۔ لنڈن کو بھی ہر شخص نہیں دیکھ سکتا۔ لنڈن کو وہی شخص دیکھ سکتا ہے۔ جس کے پاس روپیہ یا اور ایسے ذرائع ہوں جن کے ذریعہ سے لنڈن تک سفر کیا جا سکے۔ اسی طرح ملائکہ کو دیکھنے کی قوت اور استعداد پیدا کرنے سے ملائکۃ کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ہزارہا لوگوں نے اس قوت اور استعداد کو پیدا کر کے فرشتوں کو دیکھا ہے۔

چوتھا عقلی ثبوت - چوتھا عقلی ثبوت ملائکۃ کی ہستی پر وہ تجربہ ہے جو ملائکۃ کے متعلق ہر قسم کے لوگوں کو ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ وہ شاہد ہے جس کا انکار کرنا آسان نہیں۔ بارہا ایسا ہوا ہے۔ کہ انسان اپنے خیالات میں مستغرق یا کسی کام میں مشغول ہوتا ہے جو یک لخت ایک ایسی بات اس کے دل پر اثر کرتی ہے جس کو (association of ideas) اس کے خیالات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ بسا اوقات وہ خیال اس کے پہلے خیالات کے خلاف ہوتا ہے لیکن وہ خیال اس شدت قوت سے اس کے

دل پر اثر کرتا ہے۔ کہ انسان اس بات کے کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جس کے متعلق اس کو ایسا فوری خیال آتا ہے۔ اور ایسا وقت ہر انسان پر کبھی نہ کبھی ضرور آتا ہے۔ خدا کے پیاروں اور مومنوں کو تو ایسی تحریکیں کثرت سے ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن کافروں اور دہریوں تک کو بھی ایسی تحریکیں ہوتی ہیں۔ اور ان تحریکوں کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ بد سے بد انسان کو بھی اس کا تجربہ ہے۔ ان تحریکوں کے محرکوں کا نام ملائکہ ہے ؛

ملائکہ کی ضرورت ملائکہ کی ہستی پر عقلی ثبوت دینے کے بعد یہ بتانا ضروری ہے کہ ملائکہ کی ضرورت کیا ہے؟ ضرورت بھی کسی چیز کے وجود کا ثبوت ہوتی ہے (گو یہ ثبوت بالواسطہ ہوتا ہے) کیونکہ جس چیز کی ضرورت ہو۔ وہ مہیّا کی جا سکتی ہے اس لئے اس کی ہستی بھی ضرور ہوتی ہے ؛

پہلی ضرورت۔ روحانی و جسمانی نظام میں ایک بہت بڑی مشابہت ہے اور مشابہت ہونی بھی چاہیئے۔ کیونکہ یہ دونوں سلسلے ساتھ ساتھ چلتے ہیں سوائے ان شاذ مواقع کے کہ جہاں ان کا ایک جیسا نہ ہونا ضروری ہوتا ہے جسمانی نظام میں اسباب کا ایک وسیع سلسلہ چلا جاتا ہے۔ ایک سبب کے بعد دوسرا سبب۔ دوسرے سبب کے بعد تیسرا سبب اور تیسرے کے بعد چوتھا اور اس طرح سے یہ سلسلہ اسباب بہت دُور تک چلا جاتا ہے۔ اور وسیع ہوتے ہوتے بہت لطیف ہو جاتا ہے اور ایسا لطیف ہو جاتا ہے کہ نظر سے غائب ہو جاتا ہے بعض فلاسفروں کا یہ خیال ہے۔ کہ دنیا میں اتفاق (Chance) کوئی چیز نہیں۔ ہر بات کا ایک سبب ہوتا ہے ؛

جب جسمانیات میں سلسلہ اسباب مانا جاتا ہے تو کیا روحانی امور ہی ایسے ہیں۔ کہ ان میں سلسلہ اسباب کا انکار کیا جائے۔ جب جسمانیات میں

سلسلہ اسباب چلتا ہے۔ تو مشابہت کو پورا کرنے کے لئے روحانیات میں بھی سِلسلہ اسباب ہونا چاہیئے۔ اور روحانی سلسلہ کی آخری کڑی ملائکہ ہیں؛

دوسری ضرورت۔ ہم ہر چیز میں ارتقاء دیکھتے ہیں۔ اور یہی ارتقاء سبب ہوا ہے۔ اس غلط خیال کا کہ انسان پہلے صرف ایک کیڑے کی شکل میں تھا۔ پھر ترقی کرتے کرتے اپنی موجودہ شُکل اختیار کر گیا۔ یہ خیال جیسا بے ہودہ و بے بنیاد ہے۔ اس کی تفصیل کی نہ یہاں ضرورت ہے۔ اور نہ جگہ ہے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم ہر چیز میں ارتقاء دیکھتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے۔ انسان میں روحانی ترقیات کرنیکی بہت بڑی استعدادیں موجود ہیں۔ مگر چونکہ خود انسان مادیات سے ہے اور اس کا تعلق بھی مادی چیزوں سے ہے۔ اور مادی چیز کثیف ہوتی ہے لیکن خدائے تعالیٰ ایک لطیف اور روحانی ہستی ہے اس لئے انسان (مادی چیز) کا تعلق خدائے تعالیٰ (روحانی ہستی) سے براہ راست نہیں ہو سکتا۔ اس تعلق کے لئے کوئی روحانی ذریعہ چاہیئے اور یہ ذریعہ ملائکہ ہیں۔ پس دوسری ضرورت اور بہت عظیم الشان ضرورت ملائکہ کی یہ ہے کہ وہ انسان کو خدائے تعالیٰ سے ملاتے اور اس سے تعلق پیدا کراتے ہیں۔ اس طرح کے تعلق کے متعلق ایک عجیب کہانی مشہور ہے کہتے ہیں کہ ایک شخص کسی بلند مینار پر چڑھا ہوا تھا۔ اور اس سے نیچے نہیں اتر سکتا تھا۔ کسی دوسرے شخص نے ایک تیر کے ساتھ ایک باریک تاگا باندھ کر اسکی طرف پھینکا جس کو اس نے پکڑ لیا اور پھر نیچے لٹکا دیا۔ پھر اس باریک تاگے کے ساتھ ایک اور تاگا جو اس سے ذرا موٹا تھا۔ باندھا گیا۔ اس نے اس تاگے کو پکڑ کر نیچے لٹکا دیا۔ پھر اس کے ساتھ اس سے ذرا موٹا تاگا باندھا گیا جس کو اس نے اوپر کھینچ لیا۔

اس طرح ہوتے ہوتے آخری تاگے کے ساتھ ایک مضبوط زنجیر باندھی گئی جس کے ذریعہ سے وہ شخص نیچے اُتر آیا ؀

تیسری ضرورت۔ عالمِ ظاہر میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ خدائے تعالیٰ نے ہماری جسمانی تربیت کے لئے دو صیغے قائم کیئے ہیں۔ ایک صیغہ وہ ہے جس میں انسان محنت کرتا ہے اور پھر اس کا پھل حاصل کرتا ہے اور دوسرا صیغہ وہ ہے۔ جو انسان کی مرضی کے بغیر اس کی خدمت کرتا ہے۔ جیسے قرآن کریم فرماتا ہے۔ وسخر لکم اللیل والنھار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ الخ (۱۶-۱۲) خدائے تعالیٰ نے بغیر تمہاری محنت کے رات اور دن۔ سورج و چاند اور ستاروں کو تمہاری خدمت میں لگادیا ہے۔ رات آتی ہے دن چڑھتا ہے۔ سورج اپنی روشنی دنیا پر ڈال رہا ہے جس سے انسان کو بہت بڑے بڑے جسمانی فوائد پہنچ رہے ہیں۔ بہت بڑی بڑی مہلک بیماریوں کے کیڑے سورج کی دھوپ سے مرجاتے ہیں۔ اسی طرح چاند کی روشنی کے اثرات سے بہت سی ترکاریاں پکتی ہیں اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ بغیر ہماری محنت اور مانگنے کے ہو رہا ہے پھر کیا یہ ممکن ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ نے ہماری جسمانی تربیت کے لئے تو اتنا بڑا انتظام کیا ہو۔ لیکن روحانی تربیت کے لئے کچھ بھی نہ کیا ہو؟ نہیں بلکہ جسمانی تربیت کی طرح ہماری روحانی تربیت کے لئے بھی دو سلسلے قائم ہیں۔ جس طرح انسان کی محنت کے بغیر اللہ تعالیٰ نے سورج۔ چاند اور ستارے پیدا کیئے ہیں جن کے اثر کے ماتحت اس کے جسم کو بہت بڑے بڑے فوائد پہنچ رہے ہیں اسیطرح بغیر اسکے مانگنے کے اللہ تعالیٰ نے اُسکی روحانی نشو و نما و تربیت کے لئے ملائکہ پیدا کیئے ہیں جو نیک تحریکیں کرکے اسکو اللہ تعالیٰ کے قرب میں لیجانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں ؀

ملائکہ کی ہستی پر اعتراضات اور ان کے جواب

پہلا اعتراض۔ ملائکہ کی ہستی پر پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے۔ کہ اگر ملائکہ ہیں تو نظر کیوں نہیں آتے؟

جواب۔ دنیا میں ہزاروں چیزیں ایسی ہیں جو نظر نہیں آتیں۔ کیا مٹھاس کسی کو نظر آتی ہے۔ کیا آواز کسی کو نظر آتی ہے۔ کیا سختی اور نرمی۔ خوشبو و بدبو کسی کو نظر آتی ہے۔ ان کے متعلق یہ کہا جائیگا۔ کہ مٹھاس کا تعلق تو زبان سے ہے۔ آواز کا کان سے۔ سختی و نرمی کا چھونے سے۔ اور خوشبو و بدبو کا تعلق ناک سے ہے یہ چیزیں آنکھوں سے کس طرح نظر آسکتی ہیں۔ ہم کہتے ہیں یہ بات بالکل درست ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کسی چیز کی ہستی کو معلوم کرنے کا صرف یہی ذریعہ نہیں کہ وہ آنکھ سے نظر آجائے۔ پھر ہم کہتے ہیں۔ کہ کیا جسمانی طاقت کسی کو نظر آتی ہے۔ یا کیا قوت حافظہ اور ذہن کسی کو نظر آتے ہیں۔ ان کے متعلق کہا جائیگا۔ کہ یہ چیزیں حواس خمسہ سے معلوم نہیں ہو سکتیں بلکہ ان کے وجود کو ان کے اثرات سے مانا گیا ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں۔ کہ جب دنیا میں ایسی چیزیں موجود ہیں جو آنکھ کیا حواس خمسہ میں سے کسی دوسری حس سے بھی معلوم نہیں ہو سکتیں بلکہ ان کے اثرات سے ان کے وجود کا پتہ لگتا ہے۔ تو کیوں یہ قانون ملائکہ کی ہستی کے متعلق نہ برتا جائے اور ملائکہ کے اثرات (جو اوپر بیان کیئے گئے ہیں) کو دیکھ کر ان کی ہستی کو نہ مانا جائے؟

دوسرا اعتراض۔ جس کو بہت وزنی اور معقول خیال کیا جاتا ہے مگر جو پہلے اعتراض کی طرح بالکل سطحی اور قلت تدبر کا نتیجہ ہے یہ ہے کہ کیا انتظام دنیا کے چلانے میں خدا ملائکہ کا محتاج تھا جو اس نے ان کو پیدا کیا؟ اوّل تو یہ سوال ہی غلط ہے۔ احتیاج اس چیز کی ہوتی ہے جو

کسی کے تصرّف سے باہر ہو۔ کسی چیز کا خالق اس کا محتاج نہیں ہوتا۔ خدائے تعالیٰ تو فرشتوں کا مالک و خالق ہے وہ کس طرح ان کا محتاج کہا جا سکتا ہے۔ یہ سوال اس طرح زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے اور انسان کے درمیان فرشتوں کو واسطہ بنانے میں کیا حکمت رکھی ہے ؛

جواب۔ ہم مادی دنیا میں سلسلہ اسباب دیکھتے ہیں۔ جب بھوک کو دُور کرنے کے لئے کھانے کی ضرورت ہے۔ پیاس بجھانے کے لئے پانی کی۔ بیماری کو رفع کرنے کے لئے دوائی کی۔ تو روحانی دنیا میں سلسلہ اسباب کیوں نہ ہو۔ کھانے سے انسان کا پیٹ بھر جاتا ہے۔ دوا کھانے سے عموماً بیماری رفع ہو جاتی ہے۔ یہ ایک قانون ہے۔ تو کیا کھانے سے پیٹ کے بھرنے کا قانون بنانے سے خدا کھانے کا محتاج ہو گیا۔ اور دوائی سے بیماری کے رفع ہونے کا قانون بنانے سے خدا دوائی کا محتاج ہو گیا۔ اگر یہ بات نہیں اور یقیناً نہیں تو کیا وجہ ہے اور یہ کہاں کی عقل ہے۔ کہ جسمانی سلسلہ میں اسباب مقرر کرنے سے تو خدا ان اسباب کا محتاج نہ سمجھا جائے۔ مگر روحانی سلسلہ میں جو اسباب مقرر ہیں ان کا محتاج قرار دیا جائے۔ پھر ہم کہتے ہیں۔ کہ وہی اسباب دنیا میں کمزوری ظاہر کرتے ہیں۔ جن کے بغیر کوئی کام نہ ہو سکے۔ وہ اسباب احتیاج اور کمزوری کو ظاہر نہیں کرتے جو اپنے قبضہ اور قدرت میں ہوں۔ مثلاً ایک شخص کسی سے ناراض ہو کر اس سے بولنا ترک کر دیتا ہے اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ شخص گونگا ہے۔ اور وہ بول نہیں سکتا۔ دانائی نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بغیر اسباب کے پیدا کر لیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ بغیر اسباب یا بغیر فرشتوں کے وہ روحانی و جسمانی سلسلوں کو چلا سکتا تھا۔ پس فرشتوں کے پیدا کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ وہ اپنے انتظام کے چلانے میں فرشتوں کا محتاج اور بغیر فرشتوں کے

کچھ نہیں کر سکتا۔ بلکہ ان کے پیدا کرنے میں اور ان کو واسطہ بنانے میں بہت سی حکمتیں ہیں۔

اعتراض کرنے والے تو ملائکہ کے مقرر کرنے کو احتیاج کہتے ہیں اور ہم اسے حکمت کہتے ہیں اور وہ حکمت یہ ہے۔ کہ علوم کی وسعت ان کے مخفی اسباب کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور ان کی ترقی کے لئے مخفی اسباب کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے تمام سلسلہ نیچر میں اسقدر مخفی اسباب رکھے ہیں۔ کہ انسان ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ جسکا نتیجہ یہ ہے۔ کہ انسان کا علم ان مخفی اسباب کے ذریعہ بہت ترقی کرتا ہے۔ مثلاً کونین میں جو صفات تھیں۔ وہ اگر مخفی نہ ہوتیں۔ تو اس کے متعلق جو علم نے ترقی کی ہے وہ نہ ہوتی۔ پس علوم کی وسعت کے لئے خدائے تعالیٰ نے اسقدر مخفی اسباب رکھے ہیں۔ کہ وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ اور جوں جوں ان کو دریافت کیا جاتا ہے۔ علوم میں وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ اور جسقدر کوئی ان کے دریافت کرنے میں زیادہ محنت و کوشش کرتا ہے۔ اسی قدر زیادہ فائدہ اور ناموری حاصل کرتا ہے۔ اگر یونہی بخار اتر جایا کرتا تو پھر ڈاکٹر جس نے اس کے اسباب پر غور و فکر کرتے کرتے اس کا علاج کونین دریافت کیا اور دوسرے لوگوں میں کیا فرق ہوتا۔ اور اس علم میں جو ترقی ہوئی ہے وہ کس طرح ہوتی۔ پس مخفی اسباب دنیا میں ترقی اور درجہ حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو نہ کوئی ترقی کر سکتا اور نہ اعلیٰ درجہ حاصل کر سکتا۔ یہی حالت روحانیت کی ہے۔ انسان اس لئے پیدا کیا گیا ہے۔ کہ وہ روحانی ترقی کرے۔ اس کے لئے روحانی اسباب بھی مخفی رکھے گئے ہیں۔ اور جو کوئی ان سے کام لیتا ہے وہ انعام اور درجہ حاصل کرتا ہے۔ پس ترقیات کے لئے اخفا کی بہت سخت

ضرورت ہے۔ اس لئے یہ کہنا غلط ہے۔ کہ اگر مخفی اسباب مانے جائیں تو خدا کو ان کا محتاج قرار دینا پڑیگا۔ مخفی اسباب کا ہونا خدا کی احتیاج کو ثابت نہیں کرتا۔ بلکہ بندوں کی احتیاج کو ثابت کرتا ہے۔ خدا نے اگر یہ قانون مقرر کیا ہے۔ کہ زمین کو ایک خاص حد تک کھود اجائے۔ تو اچھا پھل پیدا ہوتا ہے۔ تو اس لئے نہیں کہ خدائے تعالیٰ اس قانون کا محتاج ہے بلکہ اس لئے کہ زمین داروں میں سے اسکو اس کی احتیاج ہے۔ جو بڑا زمیندار بننا چاہتا ہے۔ اور اچھی کھیتی پیدا کرنی چاہتا ہے ؛

پھر ان مخفی اسباب کے پیدا کرنے میں ایک اور عظیم الشان حکمت ہے کہ ان کے ذریعہ سے خدا کی مخلوق اس کی بے تعداد و لا انتہا قدرتوں کی قائل رہتی ہے اور اس طرح سے خدائے تعالیٰ کا رُعب لوگوں پر قائم رہتا ہے۔ اگر تمام باتیں پہلے سے ہی ظاہر ہوتیں۔ تو خدائے تعالیٰ کا جلال کس طرح ظاہر ہوتا۔ یہ اسی وقت ہوتا ہے۔ جب انسان کسی علم کے متعلق جتنی تحقیقات کرتا جاتا ہے۔ اتنی ہی اس کے متعلق نئی باتیں اسکو معلوم ہوتی جاتی ہیں۔ اور اس طرح اسکو خدائے تعالیٰ کی بے شمار قدرتوں اور حکمتوں کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ سو ان مخفی اسباب کے پیدا کرنے میں بہت بڑی حکمتیں ہیں۔ جو اپنی مناسب جگہ پر بیان ہونگی۔ یہی مخفی اسباب جنکو معلوم کر کے انسان ترقیاں کرتا ہے ملائکہ ہیں۔ اور ترقیاں کرنا اور آپسمیں مقابلہ کرنا جس سے اللہ تعالیٰ کی شان ظاہر ہو انسان کی زندگی کا مقصد ہے ؛

پھر ایک اور بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ دنیا میں اثر ڈالنے والی چیزیں مخفی ہوتی ہیں۔ اور جن پر اثر پڑتا ہے وہ ظاہر ہوتی ہیں اور چونکہ ملائکہ اثر ڈالنے والے ہیں اس لئے وہ مخفی ہیں ؛

تیسرا اعتراض۔ یہ کیا جاتا ہے۔ کہ ہم کو ہر چیز کا سبب نظر آتا

ہے۔ہم کس طرح مان لیں۔کہ تمام باتیں فرشتوں کے ذریعہ ہوتی ہیں۔ہم جانتے ہیں۔کہ سورج کی گرمی سے بادل بنتے ہیں۔اور وہ برستے ہیں۔ہم سمجھتے ہیں۔کہ موسم میں خاص تغیرات کے سبب آندھیاں آتی ہیں۔پھر ہم اندھا دھند اس بات کو کس طرح یقین کرلیں۔کہ فرشتوں کے ذریعہ ایسا ہوتا ہے؟

جواب۔اعتراض کرنے والوں نے فرشتوں کے متعلق ہمارے عقیدہ کو نہیں سمجھا۔ہم یہ نہیں کہتے۔کہ سورج کی گرمی سے ابخرات اُٹھکر بادل نہیں بنتے۔اور سورج بارش برسنے کا ذریعہ نہیں۔ہم تو یہ کہتے ہیں۔کہ اس تمام عمل کا آخری سبب فرشتہ ہوتا ہے۔بے شک سورج کی گرمی سے ابخرات پیدا ہوتے ہیں۔مگر سورج میں سورج کی گرمی کی خاصیت رکھنے والا اور اس میں اس کو قائم رکھنے والا فرشتہ ہے۔ہم تو آخری سبب فرشتہ کو قرار دیتے ہیں۔نہ کہ درمیانی اسباب کا انکار کرتے ہیں؛

چوتھا اعتراض۔یہ کیا جاتا ہے۔کہ جو تغیرات دنیا میں ہو رہے ہیں وہ تو مقررہ قانون کے ماتحت ہو رہے ہیں۔اس میں فرشتوں کا کیا دخل ہے پس یہ کس طرح مانا جائے۔کہ بخار فرشتے نے چڑھایا تھا۔وہ تو اس چیز کے استعمال کرنے سے ہوتا ہے جس میں بخار چڑھانے کا مادہ موجود ہوتا ہے۔اور اگر یہ مان لیا جاوے کہ بخار فرشتے نے چڑھایا تھا۔تو وہ کونین کھانے سے کیوں اُتر جاتا ہے؟

جواب۔ہم کب مقررہ قانون کا انکار کرتے ہیں۔بے شک وہ انسان جو ایسی چیزیں استعمال کرتا ہے جن میں بخار چڑھانے کا مادہ ہے اس کو بخار ہو جائیگا۔مگر ان چیزوں کے خواص بھی فرشتے کے حکم کے ماتحت عمل میں آتے ہیں۔ہمارا تو یہ دعویٰ ہے۔کہ ان تمام باتوں کا آخری سبب

فرشتہ ہوتا ہے درمیانی اسباب خواہ کچھ ہوں ؛

ملائکہ پر ایمان لانیکا حکم کیوں دیا گیا

اعتراض - مانا کہ فرشتے ہیں - ان کے ذریعہ چیزوں کے خواص ظاہر ہوتے ہیں - وہ مفید چیز ہیں - مگر ان پر ایمان لانیکا حکم کیوں دیا گیا ہے - دنیا میں اور چیزیں بھی تو مفید ہیں - ان پر ایمان لانے کا حکم کیوں نہیں دیا گیا - کونین کے ذریعہ بخار اُتر جاتا ہے - سورج کے ذریعہ بارش ہوتی ہے - یہ بھی تو مفید چیزیں ہیں ان پر ایمان لانے کا حکم کیوں نہیں دیا گیا ؛

جواب - اس سوال کے جواب کے دو طریق ہیں - (۱) پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے - کہ رسولوں اور کتابوں پر ایمان لانے کا کیوں حکم دیا گیا - جب ہمیں یہ معلوم ہو جائیگا - تو ایمان لانے کے اصول کا ہمیں پتہ لگ جائیگا - اصل میں بالذات ایمان لانے کی مستحق صرف خدائے تعالیٰ کی ذات ہے - رسولوں - کتابوں - قیامت پر ایمان لانا اصل مقصود نہیں - ان پر ایمان لانے کا اس لئے حکم دیا گیا ہے - کہ ان کے ذریعہ خدائے تعالیٰ کی شناخت ہوتی ہے - کتابوں پر ایمان لانے کا اس لئے حکم دیا گیا - کہ ان میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے احکام ہوتے ہیں - جن پر عمل کرکے انسان خدائے تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے - اور اسکی ملاقات ہوتی ہے - رسولوں پر ایمان لانا اس لئے ضروری قرار دیا گیا - کہ وہ اپنی ذات میں خدائے تعالیٰ کی ہستی کا زندہ ثبوت ہوتے ہیں - ان کے ہاتھ پر وہ نشانات ظاہر ہوتے ہیں جو خدائے تعالیٰ کی ہستی کو ثابت کرتے ہیں - پس کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانا ان کی اپنی ذات کی وجہ سے نہیں - بلکہ اس لئے ضروری ہوتا ہے - کہ یہ تمام چیزیں خدائے تعالیٰ پر ایمان لانے کا ذریعہ ہیں - اور خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کی محرک ہیں - اگر اسی طرح فرشتوں پر ایمان لانے سے خدائے تعالیٰ کی طرف انسان کی توجہ ہو جاتی ہو - تو سوال

حل ہو جاتا ہے؟

ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دنیا میں عام طور پر لوگ خدائے تعالیٰ کو اس لئے چھوڑتے ہیں۔ کہ ان کی نظر ظاہری اسباب پر ہوتی ہے۔ ان کو یہ دھوکا لگ جاتا ہے۔ کہ کونین ہمارے بخار کو توڑتی ہے۔ پانی ہماری پیاس کو بجھاتا ہے ہم خدائے تعالیٰ کو کیوں مانیں؟ لیکن خدائے تعالیٰ نے فرشتوں پر ایمان لانے کا حکم دیکر یہ بتایا۔ کہ تمہاری نظر صرف ظاہری اسباب تک ہی محدود نہیں رہنی چاہیئے۔ بلکہ ہر چیز کے مخفی در مخفی اسباب ہیں۔ اور پھر ان سے آگے مخفی اسباب ہیں۔ اور ان اسباب کا آخری سبب فرشتہ ہے بے شک پانی پیاس کو بجھاتا ہے۔ مگر اس کے پیاس بجھانے کی خاصیت پر حکمران فرشتہ ہے۔ پس فرشتوں پر ایمان لانے کا حکم اس لئے دیا گیا۔ کہ تا انسان ظاہری اسباب تک ہی نہ رک جائے۔ بلکہ اسباب کے آخری سبب تک پہنچے۔ جس کے اوپر پھر اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے۔ جب فرشتہ پر ایمان ہو گیا۔ تو خدائے تعالیٰ پر یقیناً ہو جائیگا۔

دوسرا طریق۔ ایمان ماننے سے نکلا ہے۔ فرشتوں پر ایمان لانے کا صرف یہ مطلب ہی نہیں کہ ان کے وجود کو مانا جائے۔ بلکہ ان کی تحریکوں کو بھی ماننا ایمان کہلاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ ومن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لھا۔ (۲-۲۵۷) (جو شخص طاغوت کا انکار کرتا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اس نے ایک ایسی مضبوط رسی کو پکڑا ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتی) اس جگہ شیطان کی ذات سے انکار مراد نہیں۔ کیونکہ شیطان کا وجود تو خود قرآن سے ثابت ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان کی بات نہ مانی جائے۔ اسکی تحریکوں کا انکار کیا جائے۔ اسی طرح

ملائکہ پر ایمان لانے کے حکم سے مراد یہ ہے۔ کہ ان کی تحریکوں پر عمل کیا کیا جائے۔ اور یہی معنی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے کے ہیں ؛

اب ایک سوال اور ہوتا ہے۔ کہ اگر ایمان لانا کسی کے احکام کو ماننا ہے۔ تو انبیاء پر ایمان لانے کو ضروری اور ان کے انکار کو کفر کیوں قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ خصوصیت مجددین یا انبیاء کے خلفاء میں کیوں نہیں۔ جب ان کے احکام بھی ماننے ضروری ہیں۔ تو ان پر ایمان لانے کو ایمانیات میں اور ان کے انکار کو کفر میں کیوں نہیں رکھا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمانیات میں وہ چیزیں داخل ہیں کہ جن سے ذرا سے اختلاف سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ذرا سی بات پر اختلاف کرنے سے یہانتک کہ یہ کہنے سے کہ وضو کے وقت ناک میں پانی ڈالنے کا جو حکم نبی کریمؐ نے دیا ہے وہ ٹھیک نہیں انسان کافر ہو جاتا ہے۔ لیکن خلفاء کے ساتھ بعض باتوں میں اختلاف جائز ہے ؛ پس ملائکہ پر ایمان لانا اس لئے ضروری قرار دیا گیا۔ کہ ان کے ذریعہ سے انسان خدا سے ملتا اور ان کے انکار سے خدا سے دور چلا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے واذ قلنا للملٰٓئکۃ اسجدوا لاٰدم فسجدوا الا ابلیس ابیٰ واستکبر وکان من الکافرین ٭

(ترجمہ۔ اور جب ہم نے ملائکہ کو کہا کہ آدم کے لئے سجدہ کرو۔ تو انہوں نے سجدہ کیا۔ لیکن ابلیس نے انکار کیا۔ اور استکبار کیا اور وہ کافرین میں سے ہو گیا) اور قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے پتہ لگتا ہے۔ کہ ابلیس ملائکہ سے نہیں تھا بلکہ جن تھا۔٭ اسکو تو براہ راست سجدے کا حکم نہیں ہوا تھا۔

٭ واذ قلنا للملٰئکۃ اسجدوا لاٰدم فسجدوا الا ابلیس کان من الجن ففسق عن امر ربہ الخ (۱۸-۴۸)

حکم تو فرشتوں کو ہوا تھا۔ وہ کس طرح کافر ہو گیا۔ وہ اس طرح کہ ملائکہ نے اس کو سجدہ کرنے کی تحریک کی۔ اس تحریک کے انکار نے اس کو کفر تک پہنچا دیا؛

ملائکہ کا فیضان انسان پر

ملائکہ اور شیطان دونوں کا انسان سے تعلق ہوتا ہے۔ اور یہ تعلق تین قسم کا ہے۔ فرشتے کے پہلی قسم کے تعلق کو لمۂ ملکیہ کہتے ہیں۔ یہ ایسا تعلق ہوتا ہے جیسے ایک اجنبی کا دوسرے اجنبی انسان سے ہوتا ہے۔ کہ راستہ چلتے اگر انسان راستہ بھولنے لگے تو دوسرا آدمی ازراہِ احسان اسکو صحیح راستہ بتا دیتا ہے۔ اسی طرح فرشتہ بھی بعض اوقات انسان کو غلط راہ سے بچانے کے لئے نیک تحریک کر دیتا ہے۔ دوسری قسم کا تعلق فرشتے کا انسان سے ایسا ہوتا ہے جیسے ایک دوست کا دوسرے دوست سے ہوتا ہے۔ دونوں ایک راستے پر جا رہے ہیں۔ اور وہ جو راستے سے ناواقف ہے قدم قدم پر اپنے دوست سے راستہ نہیں پوچھتا۔ بلکہ نہایت اطمینان سے اپنے دوست کے ساتھ ساتھ چلا جاتا ہے۔ اور یہ تعلق پہلی قسم سے بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر فرشتہ انسان کا دوست ہو جاتا ہے۔ اس تعلق کو تائید روح القدس کہتے ہیں۔ اور جب تائید روح القدس نازل ہوتی ہے تو وہ انسان کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے۔ تیسری قسم کا تعلق فرشتے کا انسان سے ایسا ہوتا ہے جیسے خادم یا غلام کا اپنے آقا سے۔ اب انسان بہت بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے اور فرشتہ اس کا غلام اور خادم ہو جاتا ہے۔ اور یہی وہ مرتبہ ہے۔ جسکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا۔ آگ سے ہمیں مت ڈراؤ۔ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے یعنی آگ کا فرشتہ ہمارا

غلام ہے۔ اور یہی معنی فقعوا له ساجدین کے ہیں۔ یعنی آدم کی ایسی فرمانبرداری کرو۔ کہ جیسے غلام اپنے آقا کی کرتے ہیں۔ جب حضرت آدمؑ کو یہ مقام حاصل ہوگیا۔ تو آدم ثانی مسیح موعودؑ تو اس سے بہت بڑھکر تھا۔

اسی طرح شیطان کا تعلق بھی انسان سے تین قسم کا ہے۔ پہلی قسم لمہ شیطانی ہے۔ جیسے فرمایا۔ الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم۔ یعنی مومن کبیرہ گناہوں اور فاحش باتوں سے تو بچتے رہتے ہیں لیکن بعض اوقات لمہ شیطانی میں پھنس جاتے ہیں۔ شیطان انسان کو بدتحریک کرتا ہے۔ اور اسکو صحیح راستے سے بھٹکانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے بعض شریر لوگ مسافروں کو تمسخر سے غلط راستہ بتا دیتے ہیں۔ لیکن یہ مقام زیادہ خطرے کا مقام نہیں ہوتا۔ کیونکہ فرشتے ابھی انسان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور وہ بھی اسکو نیک راستے پر لانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ گو شیطان بھی اپنی بدتحریکیں جاری رکھتا ہے۔ دوسرا درجہ وہ ہوتا ہے۔ کہ جب انسان شیطان کی بدتحریکوں پر عمل کرنے لگ جاتا ہے۔ تو اس کی حالت اور زیادہ بری ہو جاتی ہے (اور شیطان کا دوست ہو جاتا ہے) جیسے فرمایا۔ ومن یکن الشیطان له قرینا فساء قرینا (جس شخص کا دوست شیطان ہو جائے تو وہ تو بہت برا دوست ہے)۔ پھر تیسرا درجہ وہ ہے کہ انسان شیطان کا غلام ہو جاتا ہے۔ ملک کے ساتھ تعلقات میں تو انسان ترقی کرتے کرتے اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ کہ فرشتہ انسان کا خادم ہو جاتا ہے۔ مگر شیطان کے ساتھ تعلقات سے انسان گرتے گرتے اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔ کہ شیطان اس کا آقا ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو قرآن کریم میں عبد الطاغوت کے خطاب سے یاد کیا گیا ہے۔ جیسے آتا ہے وجعل منهم القردة والخنازیر وعبد الطاغوت الخ (اور ان سے بندر

اور سؤر اور شیطان کے غلام بنایا)

اب یہ سوال ہوتا ہے۔ کہ یہ جو بتایا گیا ہے۔ کہ فرشتہ انسان کا دوست ہوجاتا ہے۔ پھر اس کا غلام بھی ہوجاتا ہے۔ کیا ہر انسان کے ساتھ علیحدہ علیحدہ فرشتے ہوتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ فرشتے دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں کہ ہر انسان کیا بلکہ ہر ذرہ کے ساتھ فرشتہ ہوتا ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔ ان کل نفس لمّا علیھا حافظ۔ (۸۶-۴) کوئی نفس نہیں مگر اسپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نگران مقرر ہے۔ دوسری قسم کے وہ فرشتے ہیں۔ جو کہ بہت اعلیٰ مقام کے ہوتے ہیں جنمیں کا ایک فرشتہ سب انسانوں پر اثر ڈالتا ہے۔ چنانچہ جبرئیل سب انسانوں پر اثر ڈالتا ہے۔ ایسے جلیل القدر ملائکہ کے آگے بہت سے فرشتے خادم ہوتے ہیں ؛

اب ایک سوال ہوتا ہے۔ کہ جب ایک ہی فرشتہ تمام انسانوں پر اثر ڈالتا ہے تو پھر نزول ملائکہ کے کیا معنی؟ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ نزول ملائکہ ایک قرآنی اصطلاح ہے۔ نزول کے یہ معنی نہیں ہیں کہ فرشتہ آسمان سے اتر کر انسان کے پاس آجاتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فرشتہ اپنا فیضان وہی طور سے اسپر ڈالتا رہتا ہے۔ اور نزول کے یہ معنی کہ فرشتہ آسمان سے اُتر کر انسان کے پاس نہیں آجاتا بلکہ اسپر اپنا فیضان ڈالتا ہے اس بات سے نہایت واضح ہوجاتے ہیں۔ کہ نزول کا لفظ خدائے تعالیٰ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے ؛

چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔ کہ رات کو اسوقت جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے قریب آسمان پر نزول فرماتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے اور مَیں اس کی دعا کو قبول کروں۔ مجھ سے مانگے اور مَیں اس کو دوں۔ مجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہے

اور میں اسکے گناہوں کو معاف کروں الخ٭ اس نزول کا یہ مطلب نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص جگہ سے چلکر سب سے نیچے کے آسمان پر تشریف لاتا ہے بلکہ اس سے صرف یہ مراد ہے۔ کہ اسوقت اللہ تعالیٰ دنیا پر اپنا بہت زیادہ اثر ڈالتا ہے۔ اور یہی معنی جبرئیل کے نزول کے ہیں۔ جبرئیل اپنی جگہ چھوڑ کر نہیں آتا۔ کیونکہ وہ تو اپنی جگہ چھوڑ نہیں سکتا۔ اس کا ایک مقرر مقام ہے۔ اس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے وما منّا الّا لہ مقام معلوم یعنی ہر فرشتے کے لئے ایک مقرر مقام ہے جہاں سے وہ کہیں ہل نہیں سکتا۔ پس جبرئیل کے نزول کے معنی اسکے اثر اور پرتو ڈالنے کے ہیں۔ حدیث میں جو آتا ہے۔ کہ جبرئیل انسان کی شکل میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جبرئیل کا پرتو کسی مادی چیز پر پڑا۔ اور وہ انسان کی شکل اختیار کرکے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ جس طرح سورج کا عکس شیشے پر پڑتا ہے مگر وہ خود شیشہ میں نہیں اتر آتا۔ اسی طرح جبرئیل خود نزول نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا پرتو انسانوں پر پڑتا ہے اور یہی نزول کے معنی ہیں ۔

اب سوال ہوتا ہے۔ کہ اگر جبرئیل خود نہیں آتا بلکہ وہ اپنا پرتو اور عکس ڈالتا ہے۔ تو جبرئیل تو ایک ہے۔ اس کا پرتو بھی ایک ہی ہوگا۔ لیکن مختلف مرتبوں اور مختلف استعدادوں والے انسانوں پر وہی ایک پرتوہ کس طرح پڑ سکتا ہے۔ اور تمام وہ لوگ جنپر جبرئیل کا پرتوہ پڑتا تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ۔ آنحضرت صلعم) وہ ایک درجہ کے ہونے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ صرف پرتوہ کو ہی نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ اس چیز کی صفائی اور کدورت کو بھی دیکھا جاتا ہے۔ جسپر وہ عکس پڑتا ہے۔ سورج کا عکس لوہے پر بھی پڑتا ہے۔ اور شیشے پر بھی۔ لیکن دونوں عکسوں میں زمین و

من یستغفرنی فاغفرلہ ... (مرتب) ٭ عن ابی ھریرۃ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل ربنا تبارک و تعالیٰ کل لیلۃٍ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الاخر یقول من یدعنی فاستجیب لہ من یسئلنی فاعطیہ۔ من یستغفرنی فاغفرلہ ... (مرتب)

آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ یہی حال جبرئیل کے پرتوہ کا خدا کے پیاروں کے دلوں پر پڑنے کا ہے جسقدر کسی کا دل صاف ہو گا۔ اسی قدر زیادہ صفائی کے ساتھ وہ پرتوہ اسپر پڑیگا ؎

حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور استعدادوں میں فرق تھا۔ اس لئے جبرئیل کے پرتوہ میں جو اُنپر پڑتا تھا فرق تھا۔ جس صفائی اور شان کے ساتھ جبرئیلی پرتوہ نبی عرب صلے اللہ علیہ وسلم کے دل پر پڑتا تھا۔ اور کسی پر نہیں پڑسکتا تھا۔ یہی سبب ہے۔ کہ باوجود اس کے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے دلوں پر ایک ہی جبرئیلی پرتوہ پڑتا تھا۔ ان کے درجات اور مقامات اور مرتبوں میں فرق تھا۔ کیونکہ صفائی قلب میں تفاوت ہونے کے باعث اس پرتوہ کی کیفیت میں بھی فرق ہوتا تھا۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ اسی پرتوہ۔ عکس یا فیضان کے لحاظ سے جبرئیل کے کئی نام ہیں۔ روح القدس۔ روح الامین وغیرہ۔ روح الامین جبرئیل کا وہ نام ہے۔ جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر اُترتا تھا۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام پر روح القدس کے رنگ میں جبرئیلی پرتوہ پڑتا تھا لیکن نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر روح الامین کے رنگ میں پڑا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت چونکہ کامل شریعت تھی۔ اور اس کی ہمیشہ کے لئے حفاظت کی جاتی تھی۔ اس لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر روح الامین نے پرتوہ ڈالا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کامل ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر جبرئیل کا پرتوہ انسان کی شکل میں (یعنی اپنی پوری شان اور کمال کے ساتھ) متمثل ہو کر پڑا۔ حالانکہ مسیح پر کبوتر کی شکل میں پڑا تھا۔ اور یہی فیضان اور پرتوہ کے تمثل میں فرق شریعت کے کامل و ناقص ہونے پر دلالت کرتا ہے ؎

ملک افضل ہے یا انسان؟

اس سوال کا جواب یہ ہے۔ کہ انسان ملک سے افضل ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جبرئیل علیہ السلام سے افضل تھے اب سوال ہوتا ہے۔ کہ جبرئیلی پرتوہ سے تو حضرت موسیٰ ؑ حضرت عیسیٰ ؑ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان درجوں کو پہنچے۔ تو افضل وہ ہوا۔ جس نے انپر پرتو ڈالا۔ نہ وہ جسپر وہ پرتو پڑا۔

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ بے شک جبرئیل ؑ پرتوہ ڈالتا ہے۔ مگر اصل میں وہ عکس و پرتوہ اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ جبرئیل اللہ تعالیٰ سے نور لیکر انسان پر ڈالتا ہے ؏

یہ ثابت شدہ حقیقت ہے۔ کہ بعض پرتو خدا کے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایسے پڑے۔ کہ حضرت جبرئیل کو باوجود واسطہ ہونیکے ان کا علم نہ تھا۔ کیونکہ جبرئیل تو صرف واسطہ ہے اور واسطہ اعلیٰ بھی ہوسکتا ہے اور ادنیٰ بھی۔ اعلیٰ کی یہ مثال ہے۔ کہ سورج کا عکس شیشے پر پڑے اور شیشے سے آگے دوسری چیز پر عکس پڑے۔ اسمیں واسطہ (جو شیشہ ہے سورج کے عکس پڑنے کا دوسری چیز پر) اس چیز سے اعلیٰ ہوگا جسپر اس کے ذریعہ سے سورج کا اثر پڑے۔ اور ادنیٰ کی مثال وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جبرئیل کے متعلق صادق آتی ہے۔ وہ ایک پیغام رسان کی ہے۔ جو کہ اپنے آقا یا بادشاہ کی چٹھی اس کے کسی دوست کے پاس پہنچاتا ہے اور قطعاً نہیں جانتا۔ کہ اس چٹھی میں کیا لکھا ہے۔ اسی لئے معراج میں ایک مقام پر پہنچکر حضرت جبرئیل نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ میں اب آگے نہیں جاسکتا۔ اور پھر علم آدم الاسماء کلھا (سکھائے آدم کو تمام نام) کے ماتحت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم میں وہ استعدادیں تھیں جو جبرئیل میں نہ تھیں۔ یہ تو اس افضلیت

کا ذکر ہے۔ جس میں جبرئیل صرف پیغام رساں ہیں ان کو مضمون پیغام کی خبر نہیں۔ لیکن ان باتوں میں بھی جن کا علم جبرئیل کو تھا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بسبب اپنی استعدادوں کے افضل ہوتے کے افضل تھے۔ کیونکہ ایک استاد دو شاگردوں کو سبق پڑھاتا ہے۔ لیکن اپنی اپنی قوتوں کے مختلف ہونیکی وجہ سے ان کے اس سبق کو محفوظ کرنے میں فرق ہوتا ہے۔ لیکن اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ہر انسان ہر ملک سے افضل نہیں ہوتا۔ انسانوں کے درجے ہیں تو ملائکہ کے بھی درجے ہیں۔ عام مومن عام ملائکہ سے افضل ہوتے ہیں اور خاص مومن خاص ملائکہ سے۔ اور سب مومنوں کا سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام فرشتوں کے سردار جبرئیل علیہ السلام سے افضل ہے۔ کیونکہ انسان کی ذمہ داریاں ملائکہ سے زیادہ ہیں۔

(باقی آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ)

حضرت خلیلؑ کا اکلوتا بیٹا

اسرائیل کے خاندان پر اس تواتر اور کثرت سے خدائے تعالیٰ کے روحانی وجسمانی افضال و انعامات کی بارش ہوئی۔ کہ انکو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ تمام مخلوق الٰہی میں وہی اللہ کے پیارے اور اس کے منظورِ نظر ہیں۔ اور اس فاسد اور بے بنیاد خیال نے یہاں تک ترقی کی۔ کہ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا۔ کہ:۔ نحن ابناؤ اللہ واحباؤ ہٗ۔ ہم ہی اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ اور اسکے ایسے مقبول ہیں۔ کہ اگر ہم پے در پے گناہ بھی کرتے چلے جاویں پھر بھی وہ ہمیں عذاب نہیں دیگا۔ اور اگر ہمیں عذاب ہوگا بھی تو چند معدود دنوں کے لئے ہوگا چنانچہ قرآن کریم ان کا یہ قول نقل کرتا ہے۔ وقالوا لن تمسنا النار

الاّ ایّاماً معدودۃ۔ (اور انہوں نے کہا کہ ہم کو آگ نہیں چھوئے گی مگر چند دنوں کے لئے) لیکن جب اس بدبخت قوم نے خدائے تعالیٰ کے مرسلوں اور راستبازوں کو پیہم تکالیف دیں۔ اور ان کی تکذیب کرنا اپنا پیشہ بنا لیا۔ تو وہ خدا جس کی کسی انسان یا قوم سے خاص رشتہ داری نہیں۔ اور جو یوں تو غضب میں دھیما ہے۔ مگر اپنے پیارے بندوں کی تکذیب ہوتے دیکھکر سخت جوش میں آجاتا ہے۔ اس نے حضرت ذکریاؑ کو بڑھاپے میں بچہّ دیکر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بے باپ پیدا کرکے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا۔ کہ خدائے تعالیٰ کے مرسلوں کی متواتر مخالفت کے سبب اسرائیل کی اولاد کے رگ و ریشہ میں شیطنت کچھ ایسی رچ گئی ہے۔ کہ بنی اسرائیل میں اب ایک مرد بھی اس قابل نہیں رہا۔ کہ اس کی صلب سے کوئی خدا کا پیارا انسان نکل سکے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیلؑ کی دعا کو جو اس نے حجاز کے بے آب و گیاہ میدان میں بیت اللہ کی تعمیر کے وقت ان الفاظ میں کی تھی۔ ربّنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیاتک ویعلّمھم الکتاب والحکمۃ ویزکّیھم ..... الخ (اے میرے رب! بھیج ان میں ایک رسول انہی میں سے۔ جو انپر تیری آیات پڑھے۔ انکو کتاب و حکمت سکھلاوے۔ اور ان کو پاک کرے .....) شرفِ قبولیت بخشا۔ اور نبوت اور رسالت اسحٰق کے خاندان سے اسمٰعیل کے گھرانے میں منتقل ہوئی لیکن خاندانِ اسمٰعیل کے سب سے بڑے نمائندے نبئ عرب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہود و نصاریٰ کو ایسا بغض ہو گیا۔ کہ باوجود اسکے کہ بائیبل حضورؐ کے متعلق بشارتوں سے بھری پڑی ہے۔ جنمیں سے چند مثال کے طور پر درج ذیل ہیں:-

بائبل میں آنحضرت صلعم کے متعلق بشارتیں

(۱) خدا سینا سے نکلا۔ اور شعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا۔ اس کے

داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ہے۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا (توراۃ کتاب ۵۔ باب ۳۳ - ۲)

(۲) آئیگا اللہ جنوب سے اور قدوس فاران کے پہاڑ سے۔ آسمان کو جمال سے چھپادیا۔ اس کی ستائش سے زمین بھر گئی (حبقوق باب ۳ - ۳)

(۳) اور خداوند نے مجھے کہا۔ کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا۔ میں انکے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا۔ اور اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالونگا۔ اور جو کچھ میں اسے کہونگا۔ وہ سب ان سے کہیگا۔ (استثنا۔ باب ۱۸ - ۱۸)

(۴) اور ایک جوڑی سواروں کی دیکھی۔ ایک سوار گدھے کا اور ایک سوار اونٹ کا اور خوب متوجہ ہوا۔

(۵) وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا وہی کونے کا سرا ہوا۔ یہ خداوند سے ہے۔ اور ہماری نظروں میں عجیب۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں خدا کی بادشاہت تم سے لی جائیگی۔ اور ایک قوم کو جو اسکے پھل لاوے دی جاویگی۔ جو اس پتھر پر گرے گا۔ چور چور ہو جائیگا۔ پر جس پر وہ گریگا اسے پیس ڈالے گا (متی باب ۲۱ - آیت ۴۲ - ۴۴)

(۶) میرے کلموں پر عمل کرو۔ میں اپنے باپ سے درخواست کرونگا۔ کہ وہ تمہیں دوسرا تسلی دینے والا بخشیگا۔ کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے۔ (یوحنا۔ باب ۱۴ - آیت ۱۵ - ۱۷)

(۷) لاکن فارقلیط روح القدس وہ جسے میں باپ کی طرف سے بھیجونگا۔ روح حق جو باپ سے نکلتی ہے۔ آوے تو وہ میرے لئے گواہی دیگی۔ اور تم بھی گواہی دوگے۔ کیونکہ تم شروع سے میرے ساتھ ہو۔ میں نے تمہیں یہ باتیں کہیں۔ کہ تم ٹھوکر نہ کھاؤ (یوحنا باب ۱۵ - ۲۶ و ۱۶ - ۱)

(۸) میری اور بھی بہت سی باتیں ہیں۔ کہ میں تمہیں کہوں۔ پر اب تم

اس کی برداشت نہیں کر سکتے۔ اسلئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی۔ لیکن جب وہ روح الحق آوے۔ تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتاویگی۔ لیکن جو کچھ وہ سنے گی سو کہیگی اور تمہیں آیندہ کی خبریں دیگی۔ اور وہ میری بزرگی کریگی۔ (یوحنا باب ۱۶۔ ۲) ؎

ان لوگوں نے چاہا۔ کہ خدا کے نور کو اپنے مُنہ کی پھونکوں سے بجھا دیں۔ اور تمام وہ تصریحات و تلمیحات جو نبی خاتمؐ کے متعلق تورات میں موجود تھیں انکو برباد کرنیکی کوشش کی۔ اور انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بُغض و دشمنی کو حضورؐ کی ذات بابرکات تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ حضورؐ کے جدامجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق بعض باتوں کو جن سے حضرت اسحٰقؑ پر انکی فضیلت کا اظہار ہوتا تھا۔ تحریف کر کے تمام تورات کو اسحٰق کی یکطرفہ داستان بنا دیا چنانچہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایک بہت بڑی فضیلت کو کہ آپ ہی کو حضرت خلیل نے امتثالاً لامر اللہ خدا کی راہ میں قربان کرنا چاہا۔ حضرت اسحٰق کی طرف منسوب کر دیا۔ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل تھے۔ مگر تورات کا یہ دعویٰ ہے۔ کہ ان کے برادر خورد حضرت اسحٰقؑ کو یہ شرف حاصل ہے۔ ملاحظہ ہو۔ پیدائش باب ۲۲۔ ۱ و ۲ ؎

ان باتوں کے بعد یوں ہوا۔ کہ خدا نے ابراہام کو آزمایا۔ اور اسے کہا۔ کہ اے ابراہام۔ وہ بولا کہ میں حاضر ہوں۔ تب اس نے کہا۔ کہ تو اپنے بیٹے ہاں اپنے اکلوتے بیٹے کو جسے تو پیار کرتا ہے (اضحاق) کو لے۔ اور زمین موریا میں جا اور اسے وہاں پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤنگا۔ سوختنی قربانی کے لئے چڑھا ؎

حضرت اسمٰعیل کے ذبیح ہونے پر پہلی دلیل

مندرجہ بالا آیت سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت احدیت نے ابراہیم علیہ السلام سے اس کا اکلوتا اور پیارا بیٹا اپنی راہ میں قربان ہونے کے لئے طلب کیا تھا۔

اس کے علاوہ آیت ۱۲ باب ۲۲ میں وہیں خدا کے فرشتے نے آسمان سے اسے

پکارا۔ کہ اے ابراہام۔ اے ابراہام۔ وہ بولا میں حاضر ہوں۔ پھر اس نے کہا۔ کہ تو اپنا ہاتھ لڑکے پر مت بڑھا اور اسے کچھ مت کر۔ کہ اب میں نے جانا کہ تو خدا سے ڈرتا ہے اس لئے کہ تو نے اپنے بیٹے ہاں اپنے اکلوتے بیٹے کو مجھ سے دریغ نہ کیا۔ اور آیات ۱۵ و ۱۶۔ تب خداوند کے فرشتے نے دوبارہ آسمان پر سے ابراہام کو پکارا۔ اور کہا کہ خداوند فرماتا ہے۔ اس لئے کہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنا بیٹا ہاں اپنا اکلوتا بیٹا ہی دریغ نہ رکھا۔ میں نے اپنی قسم کھائی؟" ان آیات سے بھی پتہ لگتا ہے۔ کہ حضرت باری تعالیٰ نے ابراہیم سے قربانی کے لئے اس کا اکلوتا بیٹا مانگا تھا اور الفاظ " اس لئے کہ تو نے اپنے بیٹے ہاں اپنے اکلوتے بیٹے کو مجھ سے دریغ نہ کیا " سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمام وہ چیزیں جو ایک شخص کی نظر میں محبوب ہوتی ہیں۔ ان سب سے پیاری چیز اسکو اس کا اکلوتا بیٹا ہوتا ہے۔ اور خدائے تعالیٰ کی ذات چونکہ تمام حسینان جہاں سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اس لئے اپنے عاشقوں اور پیاروں کے عشق اور محبت کو آزمانے کے لئے وہ ان سے ان کی سب سے محبوب ترین چیز کی قربانی چاہتا ہے۔ اور ابراہیم چونکہ سچا عاشق حضرت باری تعالیٰ کا تھا۔ اس لئے اس سے اس کا اکلوتا بیٹا عشق کی قربان گاہ پر قربان ہونے کے لئے طلب کیا گیا ؛

اب ان آیات سے دو باتیں نہایت وضاحت سے ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے ابراہیم سے اس کا اکلوتا بیٹا قربانی کے لئے مانگا (۲) اکلوتا بیٹا باپ کو محبوب ترین ہوتا ہے مجھے سمجھ نہیں آتا۔ کہ وہ کونسل یا جماعت پادریان یہود یا نصاریٰ کی جس نے نہایت جرأت اور کمال بے انصافی سے اس آیت کی تحریف کی۔ انہوں نے یا تو تمام دنیا کو احمق سمجھا یا احمق بنانا چاہا۔ یا وہ خود اسحٰقؑ کی بے جا محبت اور اسمٰعیلؑ اور ان کے فرزند

حضرت محمد مصطفےٰؐ کی حد سے بڑھی ہوئی دشمنی و عداوت میں اپنی عقل و فہم کو جواب دے چکے ہوئے تھے۔ ارشاد الٰہی ہوتا ہے۔ کہ اپنے بیٹے ہاں اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کے لئے تیار کر۔ اور یہاں اسمٰعیلؑ کی جگہ اسحٰقؑ کا لفظ تبدیل کرکے رکھا جاتا ہے۔ اب ہر وہ شخص جسکے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل ہے اچھی طرح سے جانتا ہے۔ کہ اکلوتا بیٹا وہ ہوتا ہے جو ماں باپ کا ایک ہی بچہ ہو۔ اور توراۃ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت اسمٰعیلؑ حضرت اسحٰقؑ سے عمر میں ۱۳ برس بڑے تھے۔ ملاحظہ ہو:۔

اور جب ابراہیمؑ کے لئے ہاجرہ سے اسمٰعیلؑ پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی (۸۶) برس کا تھا۔ پیدائش باب ۱۶۔ آیت ۱۶۔

اور ابراہام نے اپنے بیٹے کا نام جو اس سے پیدا ہوا جو سرہ اس کے لئے جنی اضحاق رکھا۔ اور ابراہام نے جیسا کہ خدا نے اسے حکم دیا تھا اپنے بیٹے اضحاق کا جب وہ آٹھ دن کا ہوا ختنہ کیا۔ اور جب اس کا بیٹا اضحاق اس سے پیدا ہوا تو ابراہام سو برس کا تھا۔ پیدائش باب ۲۱۔ آیت ۳ و ۴ و ۵

اب ہر ذی عقل انسان سمجھ سکتا ہے۔ کہ بائیبل اسمٰعیل کو اکلوتا قرار دیتی ہے۔ کم از کم ۱۳ برس تک اسمٰعیل والدین کا واحد بچہ تھا۔ اسحٰق یا تو اسوقت اکلوتا قرار دیا جا سکتا ہے۔ کہ اس کی پیدائش سے پہلے اسمٰعیلؑ فوت ہو چکا ہوتا۔ یا تاریخ اور توراۃ سے یہ ثابت ہو جائے۔ کہ اسمٰعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کا لڑکا ہی نہ تھا۔ اسرائیلی لوگ دوسرا اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہ حضرت اسمٰعیلؑ چونکہ ہاجرہ جو کہ سارہ والدہ اسحٰقؑ کی ایک لونڈی تھی ان کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ اسلئے حضرت خلیل اللہؑ کے جائز فرزند قرار دیئے نہیں جا سکتے۔ اوّل تو یہ بات تاریخ سے ثابت ہی نہیں ہوتی۔ کہ حضرت ہاجرہ سارہ کی لونڈی تھیں (آپ مصر کے شاہی خاندان سے تھیں) لیکن بطور تنزل اگر تسلیم

بھی کر لیا جائے۔ کہ حضرت ہاجرہ لونڈی تھیں۔ تو بائیبل کی کونسی آیت میں یہ لکھا ہے۔ کہ ایک شخص اپنے والد کا اس لئے جائز بیٹا قرار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ ایک لونڈی کے بطن سے ہے۔ پس اگر ایسی آیت بائیبل میں کوئی موجود نہیں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ اسمٰعیلؑ ایک لونڈی کے پیٹ سے پیدا ہونے کے سبب اپنے والد کے جائز فرزند ہونے سے محروم کیے جاویں۔ پھر کیا حضرت یوسف علیہ السلام نے غلام رہ کر اور تمام بنی اسرائیل نے مدتوں فرعون کے مظالم کا تختہ مشق بنکر اور غلام رہ کر تمام بنی اسرائیل کے ماتھے پر ہمیشہ کیلئے غلامی کا ٹیکا نہیں لگا دیا؟ کیا ایسے کھلے کھلے واقعات کی موجودگی میں اسرائیلی لوگ اسماعیلی لوگوں کو اس بات کا طعنہ دے سکتے ہیں۔ کہ تمہاری دادی لونڈی تھی؟

ہم مان لیتے ہیں۔ کہ حضرت ہاجرہ سارہ کی لونڈی تھیں۔ ہم کچھ وقت کے لئے یہ بھی مان لیتے ہیں۔ کہ بنی اسرائیل کبھی غلام نہیں بنائے گئے۔ لیکن میں کہتا ہوں۔ کہ اسمٰعیل علیہ السلام کوئی معمولی بچہ نہیں۔ بلکہ ابراہیمؑ کا وہ ذی شان و مرتبت فرزند تھا۔ کہ جس نے اپنی پیدائیش سے اپنے باپ کے نام ابرام کو (جس کے معنی بلندی کے باپ کے ہیں) ابراہام سے (جسکے معنی قوموں کے باپ کے ہیں) بدل دیا۔ پس کیا وہ لڑکا جو اکیلا ہو کر قوموں کی نیابت کرے۔ کبھی حق فرزندیت سے محروم کیا جا سکتا ہے۔ پھر اسکے علاوہ توراۃ نے جگہ جگہ پر اسمٰعیلؑ کو حضرت ابراہیمؑ کا فرزند قرار دیا ہے۔

۱- اور ہاجرہ ابرام کے لئے بیٹا جنی اور ابرام نے اپنے بیٹے کا نام جو ہاجرہ جنی اسمٰعیل رکھا- اور جب ابرام کے لئے ہاجرہ سے اسمٰعیلؑ پیدا ہوا- تب ابرام چھیاسی برس کا تھا- پیدائیش باب ۱۶- ۱۶ و ۱۵- بعینہٖ ایسے ہی الفاظ حضرت اسمٰعیل کے لیئے استعمال ہوئے ہیں- ملاحظہ ہو:-

"چنانچہ سرہ حاملہ ہوئی اور ابراہام کے لئے بڑھاپے میں اسی مقرر وقت پر جو خدا نے اسے کہا تھا۔ ایک بیٹا جنی۔ اور ابراہام نے اپنے بیٹے کا نام جو اس سے پیدا ہوا جو سرہ اس کے لئے جنی۔ اضحاق رکھا۔ اور جب اس کا بیٹا اضحاق اس سے پیدا ہوا تو ابراہام سو برس کا تھا" پیدائش باب ۲۱۔ آیت ۳ و ۴ و ۵

پس کیا وجہ ہے۔ کہ جب بیٹے کا لفظ حضرت اسحٰق کے لئے استعمال کیا جائے تو وہ تو حضرت ابراہیمؑ کے فرزند قرار دیئے جائیں لیکن جب وہی لفظ بغیر کسی خفیف سے تغیر کے اسمٰعیلؑ کے حق میں استعمال ہو تو اس کو حق فرزندیت سے محروم کردے ع بریں عقل و دانش بباید گریست ؎

۲۔ اور سرہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا جو وہ ابراہام سے جنی تھی ٹھٹھے مارتا ہے۔ تب اس نے ابراہام سے کہا۔ کہ اس لونڈی اور اس کے بیٹے کو نکال دے۔ کیونکہ اس لونڈی کا بیٹا میرے بیٹے اضحاق کے ساتھ وارث نہ ہوگا۔ پر اپنے بیٹے کی خاطر یہ بات ابراہام کی نظر میں نہایت بُری معلوم ہوئی پیدائش باب ۲۱۔ آیت ۹ و ۱۰ و ۱۱۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سارہ کو اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ بری معلوم ہوتی تھی۔ اسی طرح اسرائیلی لوگوں کی نظر میں اسمٰعیلؑ ایک کانٹا ہے۔ سارہ اسمٰعیلؑ کو بار بار لونڈی کا بیٹا کہتی ہے۔ مگر ابراہیمؑ کو سارہ کی یہ بات اسمٰعیلؑ کے حق میں بری معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ بھی اس کا جائز فرزند ہے ؎

۳۔ تب ابراہام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل اور سب خانہ زادوں اور اپنے سب زرخریدوں کو یعنی ابراہام کے گھر کے لوگوں میں جتنے مرد تھے سب کو لیا پیدائش باب ۱۷۔ ۲۳ ؎

۴۔ اور ابراہام کے بیٹے اسمٰعیل کا جسے سرہ کی لونڈی مصری ہاجرہ ابراہام کے لئے جنی تھی یہ نسب نامہ ہے۔ پیدائش باب ۲۵ - ۱۲ ؎

اور ابراہام کی حیات کے برسوں کے دن جن میں وہ جیتا رہا ایک سو پچھتر برس تھے ۵۔ تب ابراہام جان بحق ہوا اور اچھی عمر درازی میں بوڑھا اور آسودہ ہو کے مرا اور اپنے لوگوں میں جا ملا۔ اور اس کے بیٹے اضحاق اور اسمٰعیل نے مکفیلہ کے مغارہ میں حتی صحر کے بیٹے عفرون کے کھیت میں جو ممرے کے آگے ہے اسے گاڑا پیدائیش باب ۲۵۔ ۷ و ۸ و ۹ آیت ؁

اب ان تمام مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس طرح حضرت اضحاق کو ابراہیمؑ کا بیٹا کر کے پکارا گیا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ہی حضرت اسمٰعیل کو بھی ابراہیمؑ کا بیٹا کر کے یاد کیا گیا ہے۔ پھر یہ کیسے ظلم کی بات ہے۔ کہ جب ایک جیسے الفاظ ہی دونوں بھائیوں کے متعلق استعمال کیئے گئے ہیں ایک کو تو واقعی ابراہیمؑ کا بیٹا قرار دے کر تمام انعامات و برکات کا وارث قرار دیا جائے۔ لیکن دوسرا بھائی بے وجہ ہی ان تمام باتوں سے محروم رکھا جائے۔ تورات کی لغت میں۔ حضرت ابراہیمؑ کے ذہن میں۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں تو حضرت اسمٰعیل حضرت خلیل اللہ کے فرزند ثابت ہوتے ہیں۔ مگر اسرائیلی لوگ اسکو پسند نہیں کرتے ؁

حضرت اسمٰعیل کے متعلق بائیبل میں بشارات

اب ایک اور سوال ہو سکتا ہے۔ کہ بے شک تورات میں اسمٰعیل کو ابراہام کا بیٹا کہکر پکارا گیا ہے۔ مگر صرف اس لئے کہ اسمٰعیلؑ حضرت ابراہیم کے نطفہ سے پیدا ہوا تھا۔ ورنہ خدائے تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق جو بچہ پیدا ہوا وہ اسحاقؑ تھا۔ اور اسمٰعیلؑ جسم کے طور پر پیدا ہوا تھا۔ اس لئے ابراہیمؑ اسحٰقؑ کو اپنا روحانی وارث سمجھکر زیادہ محبت کرتا تھا۔ اور خدائے تعالےٰ نے جو اکلوتا بیٹا طلب کیا اس سے مراد اسحٰقؑ ہے نہ کہ اسمٰعیلؑ۔ جیسے پولوس اپنے ایک خط بنام گلتیوں باب ۴۔ ۲۴ میں لکھتا ہے:۔

"ابراہیمؑ کے دو بیٹے تھے۔ ایک لونڈی سے دوسرا آزاد سے۔ پر وہ جو لونڈی سے تھا جسم کے طور پر پیدا ہوا اور جو آزاد سے تھا سو وعدے کے طور پر۔ یہ بات تمثیلی بھی مانی جاتی ہے۔ اس لئے کہ یہ دو عورتیں دو عہد ہیں۔ ایک تو سینا پہاڑ سے جو ہوا وہ نرے غلام جنتی ہے یہ ہاجرہ ہے" الخ ؛

اوّل تو یہ پولوس کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور یہ دعویٰ اس دشمنی کا نتیجہ ہے جو حضرت ذبیح اللہ کی ذات سے اسرائیلی لوگوں کو ہے۔ جسکی تائید تورات سے ہرگز نہیں ہوتی ؛

پھر تورات سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اسمٰعیل جسم کے طور پر نہیں - بلکہ ابراہیمؑ کی دعا اور خدائے تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق پیدا ہوا تھا۔ اس لئے اس کو "جسم کے طور پر" کہنا صریح بے انصافی ہے ملاحظہ ہوں :-

۱- اور اسمٰعیل کے حق میں مَیں نے تیری سُنی۔ دیکھ میں اسے برکت دونگا اور اسے برومند کروں گا۔ اور اسے بہت بڑھاؤنگا۔ اور اس سے بارہ سردار پیدا ہونگے۔ اور میں اسے بڑی قوم بناؤنگا۔ پیدائش باب ۱۷- ۲۰ ؛

۲- ابرام نے کہا کہ اے خداوند خدا تو مجھ کو کیا دیگا۔ میں تو بے اولاد جاتا ہوں۔ اور میرے گھر کا مختار دمشقی الیعزر ہے۔ پھر ابرام نے کہا۔ کہ دیکھ تو نے مجھے فرزند نہ دیا۔ اور دیکھ میرا خانہ زاد میرا وارث ہو گا۔ تب خداوند کا کلام اسپر اترا۔ اور اس نے کہا۔ کہ یہ تیرا وارث نہ ہوگا بلکہ جو تیری صلب سے پیدا ہوگا وہی تیرا وارث ہوگا اور وہ اسکو باہر لے گیا اور کہا کہ اب آسمان کیطرف نگاہ کر اور ستاروں کو گن۔ اگر تو انہیں گن سکے۔ اور اسے کہا تیری اولاد ایسی ہی ہوگی۔ پیدائش باب ۱۵- آیت ۲ و ۳ و ۴ و ۵ ؛

۳- پھر خداوند کے فرشتے نے اسے (ہاجرہ) کہا کہ تو حاملہ ہے اور ایک

بیٹا جنے گی اس کا نام اسمٰعیلؑ رکھنا۔ کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا۔ پیدائش باب ۱۶ ۔ ۱۰ و ۱۱ آیت ؎

۴۔ تب خدا نے اس لڑکے کی آواز سُنی اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا۔ اور اس سے کہا۔ کہ اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا۔ مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے خدا نے سُنی۔ اُٹھ اور لڑکے کو اُٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال۔ کہ میں اسکو ایک بڑی قوم بناؤنگا۔ پھر خدا نے اسکی آنکھیں کھولیں۔ اور اس نے پانی کا ایک کوآ دیکھا اور جا کر اس مشک کو پانی سے بھر لیا۔ اور لڑکے کو پلایا۔ اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا۔ پیدائش باب ۲۱ ۔ آیت ۱۷ و ۱۸ و ۱۹ و ۲۰

مذکورہ بالا آیات سے مندرجہ ذیل امور ظاہر ہوتے ہیں :-

۱۔ حضرت اسمٰعیلؑ حضرت خلیلؑ کی دعا کے مطابق پیدا ہوئے ؎

۲۔ خدا کا یہ وعدہ تھا۔ کہ میں اسمٰعیلؑ کو برکت دونگا۔ اور اسے برومند کرونگا اور اسے بہت بڑھاؤنگا ؎

۳۔ حضرت اسمٰعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے وارث ہونگے۔ آپکی اولاد بے شمار ہوگی ؎

۴۔ خدائے تعالیٰ نے ہاجرہ کو بشارت دی۔ کہ تیرے ایک بیٹا ہوگا اس کا نام اسمٰعیلؑ رکھنا۔ یہ صرف پیدائش کی بشارت ہی نہیں ہے۔ بلکہ اسمٰعیلؑ نام بھی الہامی نام ہے ؎

۵۔ حضرت ہاجرہ کو بشارت ہوئی۔ کہ تو اس صحرا میں پانی نہ ملنے کی وجہ سے مت گھبرا۔ کہ تیرے بیٹے کی نسل سے ابھی دنیا میں بہت سے روحانی و جسمانی تغیرات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اسکو سنبھال۔ کہ اللہ تعالیٰ نے خارق عادت طور پر اس کیلئے پانی مہیا فرما دیا ہے ؎

۶۔ خدا اسمٰعیلؑ کے ساتھ تھا ؎

اب کون عقلمند اتنی عظیم الشان بشارتوں کے ہوتے ہوئے کہہ سکتا ہے۔ کہ اسمٰعیل ؑ جسم کے طور پر پیدا ہوا۔ پولوس صاحب کو شائد ضرورت سے زیادہ عقل و سمجھ مل گئی تھی۔ جو اسکو صاف اور صحیح باتیں ٹیڑھی نظر آتی تھیں۔ ان آیتوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ نہ صرف حضرت اسمٰعیل ؑ کی پیدائش خدا کے وعدہ کے مطابق ہوئی۔ بلکہ آپ کا نام بھی الہامی نام تھا۔ اور خدا نے ایک ریگستان میں اعجازی طور پر پانی کا چشمہ جاری کر کے بتا دیا۔ کہ اسمٰعیل ؑ کی زندگی ایک غیر معمولی زندگی ہے اور دنیا کو اس سے بہت بڑے بڑے فوائد پہنچنے ہیں۔ اس لئے خدائے تعالیٰ نہیں چاہتا۔ کہ اتنی عظیم الشان و بابرکت ہستی یونہی ریت کے تودوں کے نیچے دب کر فنا ہو جائے۔ اور یہاں تک ہی بس نہیں ہوئی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا۔ کہ جب وہ حجاز کے جنگل میں اکیلا تھا۔ اس وقت بھی خدا اس کی پشت پناہ تھا۔ کیا خدا کا یہ غیر معمولی سلوک ایسے لڑکے سے ہو سکتا ہے جو صرف جسم کے طور پر پیدا ہوا ہو۔ ان وعدوں کو چھوڑ کر جو حضرت ابراہیم ؑ کی نسل کے متعلق تورات میں موجود ہیں جنمیں حضرت اسمٰعیل ؑ اور حضرت اسحٰق ؑ دونوں شامل ہیں حضرت اسمٰعیل ؑ سے بڑھکر کوئی بشارت یا وعدہ اسحٰق ؑ کے متعلق تورات میں پایا نہیں جاتا۔ سوائے ان جگہوں کے جہاں صریح تحریف معلوم ہوتی ہے ؛

دوسری دلیل اس امر پر کہ حضرت اسمٰعیل ہی ذبیح تھے

یہ ہے۔ کہ اسمٰعیل دو لفظوں سے مرکب ہے سمع اور ایل سے۔ سمع کے معنی "سُن لیا" ایل کے معنی "خدا" کے ہیں۔ یعنی خدا نے حضرت ابراہیم ؑ کی دعا سُن لی۔ تورات میں صاف مذکور ہے۔ کہ حضرت ابراہیم نے بڑے افسوس سے کہا۔ کہ مولیٰ کریم کیا میں بے اولاد مرونگا اور میرا خانہ زاد میرا وارث ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سُنی اور فرمایا۔ کہ تمہیں تیرا صلبی بیٹا تیرا وارث ہوگا۔ اب یہ ظاہر بات ہے۔ کہ وہ

بچہ جو بڑھاپے میں والدین کے گھر پیدا ہو اور ہو بھی وہ پہلا بچہ وہ والدین کو بہت پیارا ہوتا ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ بڑھاپے کو پہنچ چکے تھے۔ آپکی عمر ۸۶ برس ہوگئی تھی۔ اسوقت آپنے دعا کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپکو بشارت دیکر ایک بچہ آپ کو دیا۔ جس کی نسل سے بہت سے وعدے کیئے گئے تھے۔ پس ایسا بچہ جو بشارتکے ساتھ پیدا ہو اور جسکے ساتھ اور جسکی اولاد کے ساتھ برکت کے اتنے بڑے وعدے ہوں اور پھر جس کا نام بھی الہامی ہو اور بڑے انتظار اور بڑی الحا اور تضرع کی دعاؤں کے بعد پیدا ہوا ہو۔ اور پھر وہ والدین کا ایک ہی بچہ ہو۔ اس سے بڑھ کر بوڑھے والدین کو اور کیا چیز دنیا میں محبوب ہو سکتی ہے۔ ادھر تورات سے معلوم ہوتا ہے اور عقل بھی اسکو تسلیم کرتی ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ کے راستے میں سب سے بہتر اور پیاری چیز ہی قربان ہونی چاہیئے۔ پھر عام طور پر بھی دنیا میں دیکھا جاتا ہے۔ کہ جن والدین کے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ جب آخر کار انکے ہاں اولاد ہوتی ہے تو اسکو نالائق والدین پیروں کے تکیوں پر چڑھاوا چڑھا دیتے ہیں۔ حضرت جلشانہٗ نے بھی ابراہیمؑ کو فرمایا۔ کہ اے ابراہیمؑ میں نے ایسی مایوس کن حالت میں تجھے بیٹا دیا۔ پس اپنا پہلا اور پیارا بچہ شکریہ کے طور پر ہماری راہ میں قربان کرو۔ میرے اس بیان کی تائید تورات سے بھی ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

اور وہ (حنا جو القانہ کی بیوی اور سموایل نبی کی ماں تھی) نہایت دلگیر تھی۔ سو اس نے خداوند سے دعا مانگی اور زار زار روئی۔ اور منت مانی اور کہا۔ اے رب الافواج اگر تو اپنی لونڈی کی مصیبت پر نظر کرے۔ اور مجھے یاد فرمائے۔ اور اپنی لونڈی کو فراموش نہ کرے۔ اور اپنی لونڈی کو فرزند نرینہ بخشے۔ تو میں اسے خداوند کے لئے نذر گذارونگی۔ جب تک کہ وہ جیئے استرہ اسکے سر پر کبھی نہ پھریگا۔ اسموائیل۔ باب ۱۔ ۱۰۔ ۱۱ آیت ؎

تیسری دلیل:۔ تیسری دلیل حضرت اسمٰعیل کے ذبیح ہونے پر یہ ہے۔

کہ توراۃ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شریعت سابقہ کی رو سے قربانی صرف جانوروں یا آدمی کے پلوٹھے بچوں کی ہوتی تھی۔ اور اس میں یہ حقیقت مضمر ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ اپنے عاشقوں کو دنیا و مافیہا سب سے بڑھ کر محبوب ہوتا ہے اس لئے اس کے راستے میں محبوب ترین چیز قربان ہونی چاہیئے۔ اور پلوٹھا [illegible]

اور پھر توراۃ سے صاف طور پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ پلوٹھے بچے کو دوسرے بچوں پر فضیلت ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ چند روز کے بعد یوں ہوا۔ کہ قائن اپنے کھیت کے حاصل سے خداوند کے واسطے ہدیہ لایا۔ اور ہابل بھی اپنی پلوٹھی اور موٹی بھیڑ بکریوں میں سے لایا۔ اور خداوند نے ہابل کو اور اس کے ہدیہ کو قبول کیا۔ پر قائن کو اور اسکے ہدیہ کو قبول نہ کیا۔ اس لئے قائن نہایت غصہ اور ترش رو ہوا۔ پیدائش باب ۴۔ ۳ و ۴ و ۵۔ آیت ؂

۲۔ اور خداوند نے موسیٰ کو فرمایا۔ کہ سب پلوٹھے میرے لئے مقدس کر جو کوئی کہ بنی اسرائیل میں کھولنے والا رحم کا ہے۔ کیا انسان اور کیا حیوان میرا ہے۔ خروج باب ۱۳۔ آیت (۱) ؂

۳۔ اگر کسی مرد کی دو جوراں ہوں اور ایک محبوب اور دوسری غیر محبوب ہو۔ اور محبوب اور غیر محبوب دونوں سے لڑکے ہوں اور پلوٹھا بیٹا غیر محبوب سے ہو۔ تو یوں ہوگا کہ جب وہ اپنے بیٹوں پر میراث تقسیم کرے۔ تو محبوب کے پلوٹھے بیٹے کو غیر محبوب کے بیٹے پر جو فی الحقیقت پلوٹھا ہے فوقیت نہ دے بلکہ وہ غیر محبوب کے بیٹے کو اپنے سب مال سے دونا دوگنا حصہ دیکے پلوٹھا ٹھیرائے کیونکہ وہ اسکی پہلی قوت کا ہے اور پلوٹھے ہونے کا حق اسی کا ہے۔ استثنا باب ۲۱۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷ آیت ؂

۴۔ حضرت یعقوب اپنے بیٹے کو یوں خطاب کرتے ہیں۔ اے روبن تو میرا

پلوٹھا ہے میری قوت اور شہ زوری کا پہلا اور قدر میں بڑا اور عزت میں افضل ہے۔

پیدائش باب ۴۹۔ آیت ۳ ؛

۵۔ اور اضحاق عیسو (جو اس کا پلوٹھا بیٹا تھا) کو پیار کرتا تھا۔ پیدائش باب ۲۵ آیت ۲۸

۶۔ تب یعقوب نے کہا۔ کہ آج ہی اپنے پلوٹھے ہونیکا حق میرے ہاتھ بیچ۔ عیسو نے کہا۔ کہ دیکھ میں مرا جاتا ہوں۔ سو پلوٹھا ہونا میرے کس کام آئیگا۔ پیدائش باب ۲۵۔ آیت ۳۱۔۳۲ ؛

۷۔ اور یوں ہوا۔ کہ جب اضحاق بوڑھا ہوا اور اسکی آنکھیں دھندلا گئیں ایسا کہ وہ دیکھ نہ سکتا تھا۔ تو اس نے اپنے بڑے بیٹے عیسو کو بلایا۔۔۔۔

پیدائش ۲۷۔ آیت ۱ ؛

۸۔ خدائے تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ پلوٹھا ہے۔ خروج باب ۴ آیت ۲۲

۹۔ میں اسرائیل کا باپ ہوں اور افراہیم میرا پلوٹھا ہے۔ یرمیاہ باب ۳۱۔۹

۱۰۔ مجھے پکار کے کہیگا کہ تو میرا باپ میرا خدا اور میری نجات کی چٹان ہے۔ میں اسے اپنا پلوٹھا بھی ٹھیراؤنگا۔ زبور باب ۸۹۔ ۲۶ و ۲۷ آیت ؛

ان حوالہ جات سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ پلوٹھا بچہ ہی قربانی دیا جاتا تھا۔ اور پلوٹھے بیٹے کو اپنے دوسرے بھائیوں پر فضیلت تھی۔ پس ان بیانات نے دو امر ثابت کیئے۔ (۱) کہ حضرت اسمٰعیلؑ ہی قربانی کے لئے تیار کیئے گئے تھے کیونکہ وہ پلوٹھے تھے ؛ (۲) حضرت اسمٰعیلؑ کو حضرت اسحٰقؑ پر ہر طرح سے فضیلت ہے کیونکہ وہ پلوٹھے تھے ؛

چوتھی دلیل:۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبیح ہونے پر یہ ہے۔ کہ باوجود اس کے کہ توراۃ میں صاف مذکور ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اسحٰق کے قربان کرنے کا حکم فرمایا۔ مگر عیسائیوں میں اس قربانی کی کوئی یادگار نہیں ملتی۔ ادھر قرآن کریم کا دعویٰ ہے۔ کہ حضرت اسمٰعیلؑ کو حضرت خلیل اللہ نے قربانی

کے لئے تیار کیا تھا۔ مگر برخلاف اسرائیلیوں کے اسلام میں (بلکہ اسلام سے بہت پہلے) خدائے تعالیٰ نے حج قائم کرکے اسمٰعیلؑ کی قربانی کی یادگار کو ہمیشہ کے لئے قائم کر دیا ہے۔ اور ہر سال بڑی شان و شوکت سے اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ حج کے بہت سے مناسک اسی خدا کے پیارے ماں بچے کی یادگار ہیں۔ حج کی دسویں تاریخ کو مسلمان گائے یا بکرے کی قربانی دیتے ہیں۔ اور ہر مسلمان پر جو قربانی کرنے کی طاقت رکھتا ہو قربانی کرنا لازم اور واجب ہے۔ اور یہ حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کی یادگار ہے۔ جسکے متعلق قرآن کریم یوں فرماتا ہے وفدیناہ بذبح عظیم؛

پھر حج کے وقت مسلمان جو ہر قوم پر لبیک لبیک کہتے چلتے ہیں۔ یہ وہی ابراہیمی الفاظ ہیں۔ جو توراۃ میں اس طرح مذکور ہیں۔ ”ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابراہام کو آزمایا۔ اور اسے کہا کہ اے ابراہام۔ وہ بولا میں حاضر ہوں“

شریعت ابراہیمی میں دستور تھا کہ جس شخص کو قربان گاہ پر چڑھاتے تھے وہ بار بار قربان گاہ کے پھیرے کرتا تھا۔ اور صفا و مروہ کے درمیان سات بار سعی اسی کی یادگار ہے اور حضرت ہاجرہ کی بھی جب آپنے اسمٰعیلؑ کے لئے پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کے درمیان سات پھیرے گئے؛

پھر قرآن کریم سورۃ صافات میں مذکور ہے۔ کہ جو بچہ حضرت ابراہیم کی دعا سے پیدا ہوا تھا وہی ذبیح تھا۔ جیسے فرماتا ہے رب ھب لی من الصالحین فبشرناہ بغلام حلیم۔ فلما بلغ معہ السعی قال یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری الخ مگر توراۃ یہانتک تو قرآن کریم کے ساتھ اتفاق کرتی ہے۔ کہ حضرت اسمٰعیلؑ ہی حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے مطابق پیدا ہوئے۔ مگر تمام قرائن کے خلاف ذبیح حضرت اسحٰق کو

قرار دیتی ہے کیونکہ اسمٰعیلؑ کو ذبیح ماننا اسرائیلیوں کے مفاد کے خلاف ہے۔
پس ایمانداری کی شان سے یہ کیسی بعید بات ہے۔ کہ ایک حق بات کا صرف اس لئے انکار کیا جائے۔ کہ اس کے قبول کرنے سے اسماعیلی لوگوں کے سامنے اسرائیلیوں کو اپنا سر جھکانا پڑتا ہے۔ جب ان لوگوں کے اپنے مسلمات سے یہ بات ثابت کر دی گئی ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت خلیل اللہ کے جائز فرزند اور پلوٹھے اور اکلوتے بیٹے تھے۔ یہ کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور خدا کی بشارت اور وعدہ کے مطابق پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے ابراہیمؑ کے محبوب ترین تھے۔ اور یہ کہ ان کو اپنے چھوٹے بھائی پر ہر طرح سے فضیلت حاصل ہے۔ اور ان کے متعلق برکت کے ویسے ہی وعدے تورات میں موجود ہیں جیسے اسحٰقؑ کے متعلق اور یہ کہ اس قربانی کی یادگار اسرائیلیوں میں تو بالکل مفقود نظر آتی ہے مگر اسلام میں ہر سال اس کی یاد کو نہایت شان سے تازہ کیا جاتا ہے۔ اس لئے وہی ذبیح ہیں۔ پھر ایسی کھلی صداقت کا انکار کرنا کہاں کا ایمان ہے ؞

خاکسار غلام فرید احمدی

بقایا صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ تا یکم جون سنہ ۱۹۲۱ء

اشاعت اسلام	۲	۶	۳۲۳۰
امانت اندرونی	۱۰	۱	۸۷۴۷
" بیرونی	۰	۰	۹۵
پراویڈنٹ فنڈ	۹	۱۴	۹۲۹۳
مستقل فنڈ	-	۱۰	۱۰۴۰۰
بورڈنگ ہائی	۶	۵	۱۶۱۶
" احمدیہ	۹	۱۰	۱۱۷۶
وظائف وصدقات	۹	۱۵	۴۱۱۵
درزیخانہ	۶	۱۴	۱۲۴
شفاخانجات	۷	۳	۷۹۳
متفرقات	۵	۱۳	۱۵۲
بہشتی مقبرہ	۰	۰	۲۶۲۹۴
میزان	۳	۰	۶۶۰۴۱
فاضلہ	۷	۱۳	۵۰۶۱۷
منہائی فاضلہ	۸	۲	۱۵۴۲۳
پیشگی	۰	۷	۱۵۱۰۶
نزد امین	۸	۱۱	۳۱۶

فاضلہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ تا یکم جون سنہ ۱۹۲۱ء

گرلز سکول	۳	۱۰	۲
احمدیہ ہوسٹل	۰	۰	۸۰۰
تعلیم	۵	۱۰	۱۰۷
لنگر خانہ	۵	۱۴	۴۲۷۶۶
تعمیر	۰	۲	۵۰۶۱
مدرسہ احمدیہ	۶	۸	۱۸۷۹
میزان	۷	۱۳	۵۰۶۱۷

عبدالمغنی
محاسب

محمد اشرف
ناظر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

از دفتر ریویو آف ریلیجنز قادیان دارالامان

مکرمی بندہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میرا خیال ہے کہ آپکی انجمن کے تمام ممبروں کو اب تک حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی اطلاع نہیں جو ان الفاظ میں ہے کہ "اگر خدانخواستہ یہ رسالہ کم توجہی اس جماعت سے بند ہو گیا تو یہ واقعہ اس سلسلہ کیلئے ایک ماتم ہو گا" وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہر ایک ارشاد کی تعمیل تمام احمدیوں کا پہلا فرض ہے۔ مجھے یقین ہے۔ آپ خود اسے تمام ممبروں کو سنا دینگے اور حضرت اقدس کے ارشاد کے مطابق خود بھی رسالہ کی اشاعت میں پورا حصہ لینگے اور دوسرے احمدی احباب کو بھی جو آپکے قریب ہوں اور ابتک رسالہ کے خریدار نہیں ہوئے اس رسالہ کی اطلاع دیکر اس کا اجر اللہ تعالیٰ سے لینگے۔ اردو رسالہ کی قیمت عہ؎ سالانہ اور انگریزی کی صہ؍ سالانہ ہے جو رسالہ کے اجرا کے وقت پیشگی وصول ہونی ضروری ہے۔ یا پہلا پرچہ قیمت مذکور میں وی پی بھیجا جا سکتا ہے:

نوٹ:۔ اگر کسی بھائی کو رسالہ کی پوری قیمت دینے کی طاقت ہو (اگرچہ عہ؎ سالانہ کوئی بڑی رقم نہیں) تو ایک دوسرے سے ملکر ایک ایک رسالہ خریدیں مگر کسی بھائی کو اس کار خیر سے علیحدہ نہیں رہنا چاہیئے:

آپکے جواب کا منتظر سیکرٹری میگزین

شرح اجرت اشتہارات ریویو آف ریلیجنز

میعاد	پورا صفحہ — انگریزی	پورا صفحہ — اردو	نصف صفحہ — انگریزی	نصف صفحہ — اردو	چوتھائی صفحہ — انگریزی	چوتھائی صفحہ — اردو	ایک سطر — انگریزی	ایک سطر — اردو
سالانہ	سہ	سہ	عسہ	عسہ	دیعہ	دیعہ	عا؍	عا؍
ششماہی	عسہ	عسہ	دیعہ	دعسہ	عسہ	عسہ	عہ؍	عہ؍
سہ ماہی	عسہ	عسہ	سے؍	سے؍	اعہ	اعہ	۸؍	۸؍
ایک دفعہ	صہ؍	صہ؍	للعہ؍	للعہ؍	سے؍	سے؍	۴؍	۴؍

تمام درخواستیں دفتر میگزین قادیان ضلع گورداسپور آنی چاہیئیں

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۱۷۹

(مطبع میگزین قادیان میں باہتمام شیخ عبدالرحمن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر چھپکر صدر انجمن احمدیہ کیلئے شائع ہوا)